محمد جعفر ندوی پھلواروی

ازدواجی زندگی کیلئے اہم قانونی تجاویز

(۳)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے ثقافت ماہ فروری)

اسلام اور تعداد ازدواج

دو طرح کے قرآنی احکام: قرآن پاک میں دو طرح کے احکام دیئے گئے ہیں - ایک تو وہ احکام ہیں جو اپنے اندر ابدیت رکھتے ہیں اور ہمیشہ قائم رہتے ہیں - ان ہی کو دین قیم کہتے ہیں - یہ ابدی اقدار یعنی (ETERNAL VALUES) ہوتے ہیں جو قانونِ قدرت یا کلمات اللہ کی طرح غیر متبدل ہوتے ہیں - دوسرے وہ قوانین ہیں جو ایک خاص دور یا مخصوص حالات کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اور زمان و مکان یا احوال وظروف کے تقاضوں کے مطابق ان میں تبدیلیاں ہوتی ہیں - اس حقیقت کو قانونی اصطلاح میں یوں ادا کر سکتے ہیں کہ قانون یا ر (BYE-LAWS) تو عبوری دور کے لئے ہوتے ہیں اور ان کا مقصد یعنی (PREAMBLE) اپنے اندر ابدیت رکھتا ہے - اس کی چند مثالیں سُن لیجئے :-

چند مثالیں: قرآن میں بہت جگہ لونڈی غلام کے متعلق احکام دیئے گئے ہیں لیکن ان کا مقصد غلامی کی تصدیق یعنی اسے CONFIRM کرنا نہیں بلکہ ایسا نظامِ زندگی تعمیر کرنا ہے جس میں غلامی کا وجود ختم ہو جائے -

قرآن نے محتاجوں اور سائلوں کی اعانت پر بار بار ابھارا ہے لیکن اس کی غرض یہ نہیں کہ دُنیا میں ہمیشہ بھیک منگوں اور محتاجوں کا ایک طبقہ ضرور موجود رہے تاکہ ان کی اعانت کا ثواب حاصل کیا جاتا رہے بلکہ اس کی غرض ہی ایسا معاشی نظام بنانا ہے جس سے محتاجی دُور ہو جائے اور کوئی کسی کا دستِ نگر نہ ہو -

قرآن متعدد جرائم کے لئے حدود قائم کرتا ہے لیکن ہرگز اس کا یہ مقصد نہیں کہ دنیا میں جرم ہوتے رہیں تاکہ اجرائے حد کا قرآنی حکم پورا ہوتا رہے - اس کا اصلی مقصد یہ ہے کہ معاشرے سے جرائم کا خاتمہ ہو جائے اور تعزیر و حدود کا قانون بیکار ہو جائے -

قرآن نے امیر و مامور کے متعلق بھی احکام دیئے ہیں لیکن اس کا منتہائے مقصود کسی نظام حکومت کا قیام نہیں بلکہ وہ ایسا لا ریاستی صالح معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ کوئی حاکم ہو نہ محکوم بلکہ ہر شخص کسی سیاسی اور روحانی واسطے کے بغیر براہ راست طاعتِ الٰہی کرنے لگے -

قرآن قتال پر بار بار ابھارتا ہے لیکن اس کا مقصد اس کے بالکل برعکس ہے یعنی آخر کار ایک ایسا نظامِ امن قائم کیا جائے کہ جنگ کا نام و نشان بھی نہ باقی رہے -

ان چند مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ قرآن نے بہت سے احکام ایسے دئیے ہیں جو اپنے اصلی مقصد کے ہم شکل نہیں بلکہ ان کی نقیض معلوم ہوتے ہیں۔ وہ گویا کبھی کبھی ہومیوپیتھک اصول کے مطابق علاج بالمثل بھی کرتا ہے۔ یہ دراصل ایک ناگزیر علت ہے جو مجبوراً اختیار کرنی پڑتی ہے اور خود مقصود نہیں ہوتی۔ ایسے احکام کو ہم عبوری احکام کہتے ہیں جو درحقیقت اصلی و ابدی اقدار تک پہنچنے کے لئے ناگزیر زینے ہوتے ہیں۔

نتائج جنگ کا حل: یہاں قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جس طرح جنگ و قتال جیسی عبادت مقصودِ اصلی نہیں اسی طرح جنگ کے لازمی نتائج بھی قرآن کا مقصد حقیقی نہیں۔ جنگ ہی کے نتائج ہیں لونڈی غلام یعنی جنگی قیدی اور جنگ ہی کا ایک وقتی اثر ہے تعددِ ازدواج۔ اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ جب تک دنیا سے جنگوں کا خاتمہ ہو کر مستقل نظامِ امن قائم نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ نتائج اکثر سامنے آتے رہیں گے کہ ہر جنگ کے بعد بے سہارا بیواؤں اور بے آسرا یتیموں کا ایک طبقہ پیدا ہو جایا کرے گا کیونکہ جنگ میں مرد ہی زیادہ کام آتے ہیں۔ یتامیٰ اور ایامیٰ کا مسئلہ قوم کے لئے ایسے مواقع پر ایک بہت بڑا حل طلب مسئلہ اور PROBLEM بن جاتا ہے۔ اگر ان کو یوں ہی ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، تو جو معاشی اور اخلاقی خرابیاں اس سے پیدا ہوں گی وہ کسی صاحبِ عقل کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ خصوصاً یتامیٰ کا معاملہ تو اور زیادہ نزاکت کا حامل ہے۔ اگر ان کی کفالت اور تربیت سے غفلت برتی گئی تو نہ فقط یہ کہ یہ معاشرے کے لئے قابلِ فخر افراد نہ بن سکیں گے بلکہ پورے معاشرے کا نظام تباہ و برباد ہو جائیگا۔ اس مسئلے کے دو ہی عقلی حل ہو سکتے ہیں:

(۱) مالی اعانت۔ (۲) یا مناکحت۔

ان دونوں میں کچھ نہ کچھ خرابیاں موجود ہیں۔ لیکن معاشرے کی ناہمواری سب سے بڑی خرابی ہے اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے "اَہون الشرّین" کے طور پر مالی اعانت یا مناکحت کی خرابی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ صرف مالی اعانت میں یہ بھلائی تو ہے کہ ان یتامیٰ اور ایامیٰ کو معاشی سہارا مل جائے گا لیکن بیواؤں کے بہت سے دوسرے اندرونی و بیرونی تقاضے پورے نہ ہو سکیں گے اور ان کا نتیجہ اخلاقی ہلاکت ہو گا۔

اب دوسری شکل یعنی مناکحت کو لیجئے۔ اس میں یہ فائدہ تو ضرور ہے کہ یتامیٰ یتیم خانے میں یا ایامیٰ بیوہ خانے میں رہنے کی بجائے کسی گھر کے ارکان یعنی فیملی ممبر ہو جائیں گے۔ لیکن ایک خرابی اس میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ یتیم سوتیلے فرزند حقیقی فرزندوں کا مقام حاصل نہ کر سکیں گے۔ ان کی وجہ سے بیویوں میں باہمی رنجشیں پیدا ہونگی اور خانگی زندگی ناخوشگوار ہو گی۔ لیکن بہر حال ایامیٰ اور یتامیٰ کے بے سہارا ہونے سے معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں ان کے مقابلے میں یہ صورتِ حال اہون البلیتین کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اسے گوارا کرنا ہی پڑے گا۔

ہماری ان تصریحات کو اب قرآن پاک کی روشنی میں دیکھئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث و

ربٰع ۚ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکمؕ ذٰلک ادنیٰ الا تعولوا (۴:۴)
اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتامیٰ کے بارے میں معاشرانہ انصاف نہ کرسکو گے تو عورتوں میں سے جو تمھیں پسند آئیں ان سے دو دو تین تین چار چار تک سے نکاح کر لو۔ لیکن اگر تمھیں یہ خطرہ ہو کہ تم ان کے درمیان عدل کو قائم نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر یا باندی پر قناعت کرو۔ یہ تمھیں غلط میلان سے بچانے کے لئے زیادہ قریب کا راستہ ہے۔

سارے قرآن میں تعدد ازدواج کی اجازت کے متعلق صرف یہی ایک آیت ہے اور ہمارے معاشرے کو صدیوں سے یہی آیت سب سے زیادہ یاد رہی ہے۔ اس آیت سے جو واضح نتائج نکلتے ہیں ان کو ہم یوں ادا کرسکتے ہیں:

یتامیٰ کے مسئلے کا حل: (۱) تعدد ازدواج کے لئے دو شرطیں رکھی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ معاشرے میں یتامیٰ کے وجود سے ناہمواری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ازدواج کے درمیان بے عدلی ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ اگر یتامیٰ کا معاملہ کوئی اجتماعی و قومی پرابلم نہ ہو یا اس مسئلے کو کسی اور بہتر طریق پر حل کیا جاسکے اور نیز بیویوں کے درمیان عدل کا یقین نہ ہو تو تعدد ازدواج کی اجازت نہیں۔

چند بیویوں کے درمیان عدل ہو سکتا ہے یا نہیں اس کے بارے میں قرآنی نقطۂ نظر بھی سن لیجئے۔ ارشاد ہے کہ:

ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ — تم عدل کی کتنی ہی حرص کرو لیکن عورتوں کے درمیان عدل کرنے سے قاصر رہو گے۔ لہٰذا ایک طرف اتنے مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو معلقہ بنا کر رکھ دو۔

نساء سے کیا مراد ہے: (۲) دوسری چیز جو مذکورۂ بالا آیت میں قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ فانکحوا ما طاب لکم من النساء میں "نساء" سے کون سی عورتیں مراد ہیں؟ بہت سے مفسرین اس کے جواب میں چکر کھاتے رہے ہیں۔ حالانکہ بات پیچیدہ نہیں ہے۔ مقصد یتامیٰ کا مسئلہ حل کرنا ہے اور یتامیٰ کے ساتھ بے انصافی کا یہ کوئی حل نہیں کہ تم جہاں چاہو دو تین چار شادیاں کرلو۔ ظاہر ہے کہ یہاں نساء سے مراد وہی عورتیں ہو سکتی ہیں جن کو نکاح میں لانے سے یتامیٰ کا مسئلہ حل ہو جائے اور یہ صرف ان ہی یتامیٰ کی بیوہ مائیں یا بے سہارا بہنیں وغیرہ ہو سکتی ہیں۔ ان سے نکاح کرنے کے بعد وہ یتامیٰ افرادِ خاندان ہو جائیں گے اور یہی ان کی معاشی و اخلاقی ناہمواریوں کا مناسب حل ہے۔ اسی مقصد کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

یسئلونک عن الیتمیٰ ط قل اصلاح لھم خیر ط و ان تخالطوھم فاخوانکم (۲:۲۲)

یعنی لوگ آپ سے یتامیٰ کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ جواب میں کہہ دیجئے کہ ان کی اصلاح باعث خیر ہے اور اگر ان سے گھل مل جاؤ تو یہ تمہارے بھائی ہو جائیں گے۔

لہٰذا اگر یتامیٰ کا معاملہ درپیش نہ ہو تو تعدد ازدواج کی کھلی چھٹی کے لئے اس آیت کو سند نہیں بنایا جا سکتا۔

(۳) تیسرا نکتہ جو اس آیت میں قابلِ غور ہے یہ ہے کہ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ کے

ملک یمین کا مسئلہ: بعد ہی او ما ملکت ایمانکم فرمایا گیا ہے۔ تعداد ازدواج کے ساتھ باندی کا ذکر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جس طرح باندی کا مسئلہ جنگ کا ایک نتیجہ ہے اسی طرح تعدد ازدواج کا مسئلہ بھی نتائج جنگ ہی سے تعلق رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر دور کے لئے اس اجازت کو سند بنا لینا صحیح نہیں۔

دُوسری بڑی بنیادی چیز یہ ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر انسانی دین ہے، اس لئے وُہ جنگ سے پیدا ہونے والے مسائل کا حل بتاتے وقت صرف مسلمان قوم ہی کو سامنے نہیں رکھتا بلکہ محارب قوم کے مسائل کو بھی ساتھ ہی ساتھ حل کرتا ہے۔ جنگ کے بعد جس طرح مسلمان قوم میں یتامیٰ اور ایامی کا مسئلہ حل طلب بن جاتا ہے اسی طرح محارب قوم میں بھی یہی مسئلہ اپنا حل چاہتا ہے اور ما ملکت ایمانکم کی اجازت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس اجازت کا یہ مطلب سمجھنا صحیح نہیں کہ بے عدلی کا خطرہ ہو تو بیوی تو ایک ہی رہنے دو اور باندیاں جتنی چاہو رکھ لو کیونکہ نہ ان سے نکاح کی ضرورت ہے نہ ان میں عدل کی حاجت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ما ملکت ایمانکم صرف ایک پچھلی حالت کا اظہار ہے ورنہ ان میں اور منکوحہ بیویوں میں کوئی فرق نہیں۔ ان شاء اللہ اس موضوع پر ہم کبھی آئندہ بحث کریں گے۔ اس وقت تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تعدد ازدواج اور ملک یمین دونوں ہی ایک وقتی، عبوری مسئلے اور EMERGENCY ہیں نہ کہ مستقل اور دائمی حکم۔

اس لئے ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ قرآن جس طرح غلامی کو ختم کرنا چاہتا ہے اسی طرح تعدد ازدواج کو بھی ختم ہی کرنے کا رجحان رکھتا ہے اور اسی لئے یہ بتا دیا ہے کہ عدل بین النساء تمہاری استطاعت سے باہر ہے۔ ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم۔

ایک تیسرا نکتہ اس آیت میں یہ بھی غور طلب ہے کہ قرآن صرف یتامیٰ ہی کے مسئلے کو حل نہیں کرتا بلکہ ایامی کے مسائل کو بھی ساتھ ہی ساتھ حل کرتا ہے۔ یہاں سامنے تو یتیموں ہی کو رکھا ہے لیکن حکم کے پس پردہ ایامی بھی موجود ہیں اور ان ہی کے واسطے سے یتامیٰ کے مسائل حل ہوتے ہیں۔ یتامیٰ کو آگے اس لئے رکھا ہے کہ مقصد انسانیت کی فلاح ہو نہ کہ محض حیوانی تقاضوں کی تکمیل۔ پس تعدد ازدواج کی اجازت سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کا مقصد کیا ہے؟ کہیں محض پہلی بیوی سے انتقام لینا تو مقصود نہیں؟ یا صرف اپنی جنسی فراوانی یا تنوع پسندی کے ذوق کی تسکین تو نہیں؟ اگر خدانخواستہ یہ باتیں ہیں تو حضورؐ کے اس فرمان کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ..... ان اللہ لا یحب الذواقین و الذواقات۔ جنسی تنوع پسندوں کو خدا پسند نہیں فرماتا۔ (طبرانی عن ابی موسیٰ)۔ غرض یہ ہے کہ تعدد ازدواج کی اجازت محض کسی ذاتی ضرورت سے نہیں بلکہ ایک ناگزیر قومی ضرورت کی وجہ سے ہے جس کی تشریح آپ ابھی سن چکے ہیں۔

ایک بڑے شبہے کا ازالہ: ہمارے اس بیان پر ایک بہت بڑا شبہہ یہ پیدا ہو گا کہ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک امت میں

جو یہ تعامل چلا آرہا ہے وہ کہاں سے اور کیونکر آگیا؟ اور اسے آج تک سنت اور کارِ ثواب کس طرح سمجھا گیا؟ اس کا جواب بھی سن لیجئے۔

حقیقت یہ ہے کہ قبل از اسلام عربوں میں تعدد ازدواج کے لئے کوئی حد بندی نہ تھی۔ اسے رسم غلامی کی طرح بتدریج ہی ختم کیا جا سکتا تھا۔ ایک ایسے دور میں جبکہ ایک مرد کے لئے دس دس عورتیں رکھنا بھی فیشن میں داخل ہو، اتنی ہی اصلاح بہت بڑی کامیابی ہے کہ اولاً تو اسے چار میں محدود کردیا جائے اور ثانیاً اس چار کی اجازت کے بعد بھی کچھ ایسی قیود عائد کردی جائیں کہ یہ اجازت قریب قریب بے کار ہو جائے۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے لئے یہی اصول بن جائے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی عورت ہو اور اس اصول میں ایسی لچک بھی باقی رہے کہ اگر کوئی قومی اور بعض حالات میں انفرادی ضرورت اس تعدد ازدواج کی پیش آجائے تو اسے بھی ایک ناگزیر علت کے طور پر اہون البلیتین سمجھ کر اختیار کر لیا جائے۔

صحابہ کرامؓ کی پوزیشن

صحابہ کرامؓ جن کو بے شمار جنگیں لڑنی پڑیں اسی عبوری دور سے گزر رہے تھے۔ ان کا اصل رجحان تو یہی تھا کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہو لیکن حالات یہ تھے کہ ادھر جنگ میں مرد مارے گئے اور ادھر ان کے بچے یتیم اور بیویاں بیوہ ہو گئیں۔ ان کی کفالت و تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا جاتا تو ان کی معاشی و اخلاقی ناہمواریاں پوری سوسائٹی کے لئے باعثِ ننگ ہو سکتی تھیں۔ لہٰذا اس دور اور ان حالات میں اس سے بہتر اس کا اور کوئی حل نہیں ہو سکتا تھا کہ ان یتامیٰ کی خاطر ان بیواؤں کے عقدِ ثانی کا انتظام کیا جائے اور اگر کوئی مجرد دستیاب نہ ہو تو متاہل اشخاص ہی ان کو اپنی زوجیت میں لے لیں۔ تھی تو یہ بھی ایک علت و مصیبت ہی، لیکن اس کے سوا اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟ یہ ہے اکثر صحابہ کرامؓ کی پوزیشن تعدد ازدواج کے بارے میں اور یہ تھا ان کا ایک عبوری پروگرام۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ صحابہ کرامؓ کی اسّی فیصد بیویاں بیوہ یا مطلقہ اور صاحبِ اولاد تھیں۔

اخذ نتائج میں غلطی

لیکن جس طرح ان کے غلاموں کو دیکھ کر یہ فرض کر لیا گیا کہ غلامی بھی عین اسلامی حکم ہے اسی طرح صحابہؓ کے اس مجبورانہ اندازِ ازدواج کو بھی عین دین اور عین کتاب و سنت کے مطابق تصور کر لیا گیا اور پھر جو اس کا دروازہ کھلا تو تعدد ازدواج سب سے بڑی عبادت بن گیا۔ پھر اس پر لاتعداد اور غیر محدود بے نکاح باندیاں زینتِ دربار رہیں اور ملوک کے ہاں "حرم سراؤں" کا وجود ایک مستقل ادارہ بن گیا۔ پس دراصل صحابہ کا طرزِ عمل اس معاملے میں محض ایک مجبورانہ اور اضطراری اور وقتی عمل تھا۔ اس کا مقصد تعدد ازدواج نہ تھا بلکہ اسے روکنا اور ختم کرنا تھا۔

تعامل کی حقیقت

رہا امت کا تعامل، تو یہ کوئی قابلِ ذکر حجت نہیں۔ وہ کونسی بدعت ہے جو اس امت میں متوارث نہیں چلی آرہی ہے؟ ملوکیت، نسلی جانشینی، حرموں کا وجود، لونڈی غلام کا رواج اور بردہ فروشی، شخصی استبداد وغیرہ، ان میں سے کونسی چیز اسلامی مزاج سے مطابقت رکھتی ہے؟ لیکن بہرحال کسی غلط فہمی کی وجہ سے امت میں یہ وظائف و اعمال، تواتر و تعامل کے ساتھ چلے ہی آرہے ہیں۔ اگر اس فہرست میں تعدد ازدواج کا بھی اضافہ فرما لیجئے تو کونسی قیامت آجائیگی؟ امت کا فعل صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی، فہم صحیح سے بھی ہو سکتا ہے اور غلط فہمی سے بھی، نیک نیتی

سے بھی ہو سکتا ہے اور حسن نیت کے بغیر بھی، عمداً بھی ہو سکتا ہے اور سہواً بھی۔ لہٰذا اُمت کے اعمال سے قرآن کو پرکھنے کی بجائے اعمالِ اُمت کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا چاہیئے۔

قانونی تجاویز اب ہمیں بڑی گہری نظر سے اس بات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ آج ہمیں تعدد ازدواج کونسی قومی یا انفرادی ضرورت درپیش ہے جو اس کی کھلی اجازت دے دی جائے؟ جہاں تک ہم غور کر سکے ہیں ہمارے موجودہ دور میں یہ صرف غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر بھی ہے۔ ہمارے خیال میں تعدد ازدواج کی اجازت کے سلسلے میں مندرجہ ذیل قوانین کو نافذ

(۱) شادی کے سات سال (یا جو مناسب مدت سمجھی جائے) بعد تک باوجود علاج معالجے کے اولاد نہ ہو[1] - یا
وُہ ایسی مریضہ ہو جو علاج معالجے کے باوجود حقوق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہو۔

(۲) شوہر کے پاس اتنی کافی مالیت ہو کہ وُہ دوسری بیوی اور اس کی اولاد کی تمام ضروریاتِ زندگی کی بحسن و خوبی کفالت کر سکتا ہو اور پہلی بیوی اور اولاد کی ضروریات کی کفالت میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔

(۳) پہلی بیوی بخوشی اس کی اجازت دے - یا
دُوسری شادی کے اسباب عدالت کے نزدیک قابلِ قبول ہوں۔

صرف OVER-SEX (مغلوب الحیوانیت) ہونا عقدِ ثانی کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہونا چاہیئے۔ جنسی کمزوری کا علاج کیا جاتا ہے تو جنسی زیادتی کا بھی علاج ہو سکتا ہے۔

خلاصہ تقریر (نکات چہاردہ گانہ) اب آخر میں پوری تقریر کا چند لفظوں میں خلاصہ سن لیجیئے:-

(۱) سوسائٹی میں جنگ وغیرہ سے بعض مواقع ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جبکہ بے سہارا یتامیٰ اور بے آسرا ایامیٰ کی کثرت ہو جاتی ہے اور سوسائٹی کا معاشی و اخلاقی نظام اس سے خاصہ متاثر ہوتا ہے۔

(۲) اس طبقے کو اور سوسائٹی کو ان معاشی و اخلاقی خرابیوں سے بچانے کی دو صُورتیں ہیں۔ مالی امداد یا نکاح۔

(۳) کچھ نہ کچھ خرابیاں دونوں میں ہیں لیکن ایک بڑی خرابی سے بچانے کے لئے ان دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑیگا۔

(۴) سوسائٹی اس کا فیصلہ کرے گی کہ کس وقت کونسی خرابی زیادہ یا کم ہے۔

(۵) تعدد ازدواج کی صرف یہی ایک شکل ہے جو قرآن نے بیان کی ہے۔ لہٰذا اگر یتامیٰ و ایامیٰ کی خبر گیری کا سوال نہ ہو تو تعدد ازدواج کی عام اجازت قرآن میں نہیں۔

(۶) ہاں اگر اسی وزن کے دوسرے حالات بھی کبھی تعدد ازدواج کا تقاضا کریں تو اس کا انحصار سوسائٹی کی صوابدید پر ہے۔

(۷) یہ ایک ناگزیر علت ہے جو خاص حالات ہی میں اختیار کی جا سکتی ہے۔

(۸) اگر اس قسم کے مجبورانہ حالات نہ ہوں تو تعدد ازدواج کی کھلی چھٹی قرآن سے ثابت نہیں۔

---

[1] اور یہ نقص عورت ہی میں ہو۔

(۹) قرآنی اندازِ بیان سے اس کا جو رجحان معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ تعدد ازدواج کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ عدل بین النساء ہر شخص سے نہیں ہو سکتا۔

(۱۰) صحابہ کرام کا تعدد ازدواج ایک وقتی اور مجبورانہ فعل تھا جو اہون الشرین کے طور پر انھوں نے اختیار کیا۔

(۱۱) بعد میں اُمت کا بے لگام تعامل کوئی حجت شرعی نہیں اس لئے کہ ایسی دوسری بدعات بھی ان میں آج تک رائج ہیں۔

(۱۲) لہٰذا تعدد ازدواج پر کچھ پابندیاں عائد کرنا کوئی خلافِ شریعت اقدام نہیں خصوصاً جبکہ اس سے بہت غلط فائدہ اُٹھایا جا رہا ہو۔

(۱۳) ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ پابندیاں ابدی نہیں ہونگی ان میں بوقتِ ضرورت ترمیم بھی ہو سکتی ہے۔

(۱۴) ان پابندیوں کا انداز ایسا ہونا چاہیئے کہ ان کا رُخ توحد زوج کی طرف ہو لیکن قرآنی اندازِ بیان کی طرح ان میں ایسی لچک بھی موجود رہے کہ اگر کسی دور میں تعدد کی ضرورت محسوس ہو تو اس پر بھی عمل ہو سکے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس قانون کو دوسرے قوانین شرعیہ کی طرح حرکی (DYNAMIC) ہونا چاہیئے نہ کہ جامد (STATIC)

مفقود الخبر: ایک بڑا ٹیڑھا مسئلہ مفقود الخبر کا ہے یعنی بعض اوقات ایک شوہر غائب ہو جاتا ہے اور اسکا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ عورت کیلئے یہ بڑی ابتلا کا دور ہوتا ہے۔ اسکی تمام ضروریاتِ زندگی — جس میں طلبِ جنسی بھی داخل ہے — اسے مجبور کرتی ہیں کہ وہ کوئی عقد ثانی کرے لیکن اس خیال سے کہ کہیں اس کا شوہر زندہ نہ ہو وہ عقدِ ثانی نہیں کر سکتی۔ عقدِ ثانی کی دو ہی شکلیں ہیں۔ یا تو اسے طلاق دی جائے یا شوہر مر جائے۔ لیکن یہاں نہ طلاق کا کوئی سوال ہے نہ موت کا یقین۔

حنفی فقہ میں ایسی عورت کو مختلف اقوال کے مطابق، ستر سال سے لے کر ایک سو بیس سال تک انتظار کرنا چاہیئے یا اس وقت تک منتظر رہنا چاہیئے کہ اسکی عمر کے تمام ہم وطن دار البقا کا سفر کر چکے ہوں۔ اسکی تائید میں بہت سی روایتیں بھی حنفیہ پیش کرتے ہیں۔ ہم ان کو نقل کرنا اسلئے ضروری نہیں سمجھتے کہ حنفیہ کی اکثریت خود ہی اس مسلک کو ترک کر چکی ہے — اگر مملکتِ اسلامیہ تمام افراد کی کفالت کی ذمے دار ہو اور عام طور پر عورتوں میں اتنا ضبط نفس اور تقویٰ ہو کہ وہ اتنی طویل مدت تک — دوسرے لفظوں میں ساری عمر — انتظار کرتی رہیں، پھر تو شاید اس مسلک کیلئے گنجائش نکل سکے ورنہ دنیا میں اس پر عمل ہونا نہ فقط ناممکن ہے بلکہ بیشمار فتنوں کا دروازہ کھولنے کا سبب ہے۔

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک ایسی عورت کو چار سال تک انتظار کرنا چاہیئے اس کے بعد شوہر کو مردہ فرض کر کے عدت بیوگی (چار ماہ دس دن) گزارنا چاہیئے۔ پھر وہ عقد ثانی کر سکتی ہے۔ مؤطا امام مالک میں حضرت عمرؓ کا یہ اثر منقول ہے کہ:

ایما امرأۃ فقدت زوجہا فلم تدر این ہو فانہا تنتظر اربع سنین ثم تعتد اربعۃ اشہر وعشرا ثم تحل۔

جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے اور اسے کچھ پتہ نہ ملے کہ وہ کہاں ہے وہ چار سال انتظار کر کے چار ماہ دس دن کی عدت بیوگی گزارے اور آزاد ہو جائے۔

ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے بھی اپنی مصنفات میں ایسا ہی قول حضرت عثمانؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ اب عموماً حنفیہ بھی اسی مسلک کے مطابق فتاویٰ دیتے ہیں۔ اس لئے اسی مسلک کو بطور قانون نافذ کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ غور طلب معاملہ تو یہ ہے کہ ہمارے موجودہ دور میں ایک بیکس عورت چار سال چار ماہ دس دن کی مدت بھی آسانی سے گزار سکتی ہے یا نہیں؟ آپ نے فروری کے "ثقافت" میں "دین و شریعت کے فرق" پر ایک سوال کا جواب پڑھا ہوگا۔ اس میں کئی نظیریں ایسی دی گئی ہیں کہ عہد رسالت کے بعض قضایا خلفائے راشدین کے دور میں بدلے گئے ہیں۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ اگر حضورؐ کا فیصلہ خلفائے راشدین بہ تقاضائے حالات بدل سکتے ہیں تو خود خلفائے راشدین کے فیصلے میں اب بہ ضرورت شدیدہ کیوں ترمیم نہیں ہو سکتی؟ آج کے معاشی اور اخلاقی بحران میں کونسی عورت یہ مدت آسانی سے گزار سکتی ہے؟ اگر حنفیہ حنفی مسلک ترک کر سکتے ہیں تو شافعی و مالکی مسلک میں کیوں حک و اضافہ نہیں ہو سکتا؟ بعض عورتیں اب بھی ایسی موجود ہیں جو اپنے محبوب شوہر کے انتظار میں اپنی پوری عمر گزار سکتی ہیں۔ وہ اپنی خوشی سے ایسا کریں تو انھیں روکا نہیں جا سکتا۔ لیکن سوال صرف اس حق کا ہے کہ عورت مفقود الخبر شوہر کا زیادہ سے زیادہ کتنا انتظار کرنے پر قانوناً مجبور کی جا سکتی ہے؟

ہمارے نزدیک اگر حالات کا تقاضا ہو تو اس چار سال کی مدت انتظار میں ترمیم ہو سکتی ہے لیکن سردست شافعی و مالکی مسلک کو ہی قانونی حیثیت دے دی جائے تو غنیمت ہے۔

ہمارے خیال میں مفقود الخبر کے لئے مندرجہ ذیل قوانین نافذ ہونے چاہئیں:

(۱) مفقودیت کا شبہہ ہونے کے بعد عورت کے مطالبے پر حکومت پولیس، سی آئی ڈی، اخبار اور ریڈیو کے ذریعے ایک ماہ (یا جو مناسب مدت ہو) اس کی تلاش جاری رکھے گی۔

(۲) اگر یہ تلاش ناکام ہو تو عورت چار سال انتظار کریگی اور یہ مدت گزرنے کے بعد بھی اگر شوہر نہ آئے تو عورت چار ماہ دس دن کی عدتِ بیوگی گزارے اور عورت مفقود الخبر کی زوجیت سے آزاد تصور ہو گی۔

سزا یافتہ: اگر شوہر کو پانچ سال[۱] کی سزائے قید ہو تو اس کی حیثیت بھی تقریباً مفقود الخبر کی سی ہو جاتی ہے۔ اسکی زندگی اگرچہ معلوم ہے لیکن حقوقِ زوجیت نہ ادا کر سکنے میں اس کی حیثیت مفقود الخبر سے زیادہ مختلف نہیں اسلئے اگر عورت یہ مدتِ بے بسی میں گزارنے کی ہمت نہ رکھتی ہو تو اسے یہ قانونی حق ملنا چاہئیے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے لئے عقد ثانی کا بندوبست کر لے۔ اسکی کئی شکلیں ہیں:

(۱) عورت عدالت سے طلاق کا مطالبہ کرے اور عدالت شوہر کو طلاق دینے کی ہدایت کرے۔ یا

(۲) اگر وہ طلاق دینے پر راضی نہ ہو تو قاضی خود نکاح فسخ کر دے یا

(۳) عورت چار سال خاموش رہ کر عدت بیوگی (عدالت کی وساطت و اجازت سے) گزار کر آزاد ہو جائے۔ یا

(۴) عورت نکاح نامے میں (جس کا ہم پہلی قسط میں ذکر کر چکے ہیں) ایسے مواقع کے لئے تفویضِ طلاق کی شرط لکھوا لے۔

---

[۱] موجودہ قانون میں جیل کا سال چھوٹا ہوتا ہے اسلئے یہاں پانچ سال سے مراد اسلامی پانچ سال ہے۔

عدالتی نظام

ہماری معاشرتی اور عائلی زندگی کی جتنی خرابیاں اور پیچیدگیاں آپ کو نظر آتی ہیں ان کی اسی فیصد اصلاح ہمارے موجودہ عدالتی نظام کی درستگی پر موقوف ہے۔ اس وقت تک ہمارا عدالتی نظام اسی ڈگر پر چل رہا ہے جو انگریزی حکومت چھوڑ گئی ہے۔ نظامِ حکومت بدلنے سے یہ عدالتیں لقب کے اعتبار سے تو "اسلامی عدالتیں" ہو گئی ہیں لیکن اپنے انداز کے اعتبار سے ان میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔ موجودہ صورتِ احوال یہ ہے کہ جس معمولی سے معمولی مقدمے کو آپ چاہیں دو دن میں فیصلہ ہونے کی بجائے دس سال تک کھینچ کر لے جا سکتے ہیں۔ اگر دس روپے کا مقدمہ ہو تو اس میں دس ہزار روپے خرچ کرا سکتے ہیں۔

اصلاح عدالت کیلئے تجاویز اس لئے معاشرے کے دیگر امور سے سر دست قطع نظر کر کے صرف نکاح و طلاق و ترکہ و مہر وغیرہ یعنی (PERSONAL LAW) کے بارے میں مندرجہ ذیل اصلاحات فوراً نافذ کرنی چاہئیں:

(۱) کوئی کورٹ فیس نہ ہو۔

(۲) اگر مدعی یا مدعا علیہ اپنے مطالب پوری طرح واضح نہ کر سکتا ہو تو کسی شخص کو توضیح بیان کے لئے لا سکتا ہے ایسا کوئی شخص بھی ہو سکتا ہے۔ سند یافتہ وکیل یا بیرسٹر ہونا ضروری نہیں۔

(۳) سماعتِ مقدمہ کے بعد فیصلے میں ایک ہفتے (یا جو مدت مناسب سمجھی جائے) سے زیادہ وقت نہ لگایا جائے بجز اس کے کہ کوئی مقدمہ زیادہ پیچیدہ ہو۔

(۴) مدعی و مدعا علیہ کی پیشیاں تین بار (یا جو تعداد مناسب ہو) سے زیادہ نہ ہوں۔

(۵) فیصلہ کرنے والے جج یا مجسٹریٹ ایسے رکھے جائیں جو اسلامی اقدار اور زن و مرد کی نفسیات سے واقف ہونے کے علاوہ عائلی زندگی کے سدھار اور انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی رکھتے ہوں اور رشوت تو الگ رہی وہ ہدئے تک نہ قبول کرتے ہوں۔ اس معاملے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا حکم برقرار رکھا جائے کہ عہدِ رسالت میں تو یہ ہدیہ تھا اور اب اس زمانے میں رشوت بن گیا ہے۔

(۶) عارضی طور پر ان خاص مقاصد کے حل کے لئے عام عدالتوں سے الگ عدالتیں قائم کر دی جائیں اور شہروں کے علاوہ مضافات میں اس قسم کی پنچایتوں کو عدالتِ زیریں کا درجہ دیا جائے جن کا مرافعہ شہروں میں ہو۔

تجاویز کا مقصد ہمارا مقصد ان قوانین کو بعینہٖ نافذ کرنا نہیں۔ غرض تو صرف ایسے قوانین کا نفاذ ہے جس کی مدد سے انصاف سہل اور ارزاں ہو جائے۔ وقت اور روپیہ اور ایمان ضائع نہ ہو اور مظلوموں کی داد رسی آسانی سے ہو سکے۔ مندرجۂ بالا قوانین سے ملتے جلتے کوئی سے بھی قوانین نافذ کئے جا سکتے ہیں جو اس مقصد کو پورا کریں۔ غور فرمایئے کہ جو بچوں والی عورت چکی پیس پیس کر بمشکل گزارا کرتی ہو وہ اپنے عیش کرنے والے شوہر سے اپنا حق لینے کے لئے کورٹ فیس اور وکیلوں کے خرچے اور پیروی مقدمہ کے اخراجات اور اس کے لئے وقت کہاں سے لائیگی؟ دنیا میں کسی

حکومت اور مجالس آئین ساز اور عدالتوں کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے اگر مظلوموں کی دادرسی نہ ہو سکے یا دادرسی کی ناقابلِ برداشت اور بھاری قیمت ادا کرنی پڑے ؟

اگر آپ اور کہیں نہیں دیکھ سکتے تو عرب ہی میں جا کر دیکھ لیجئے کہ مقدموں کے وہاں کس طرح فیصلے ہوتے ہیں؟ کتنا خرچ ہوتا ہے، کتنا وقت لگتا ہے اور کتنی بحثیں ہوتی ہیں۔ خود بھارت میں پنچایتوں کا جس طرح استحکام اور انتظام کیا گیا ہے اس کے نتائج آنکھوں سے دیکھ لیجئے کہ کچہریوں کی گہماگہمی ختم ہو رہی ہے۔ ہر ہر گاؤں میں محاکمے کی صلاحیت پیدا ہو رہی ہے۔ وقت اور روپیہ ضائع ہونے سے بچ رہا ہے۔

ذاتی تجربہ

خود میرا ذاتی تجربہ سنئے۔ جس وقت میں کپورتھلے کی مرکزی جامع مسجد کا خطیب تھا، اس وقت وہاں کی عدالت عموماً مسلمانوں کے خصوصی مقدمات میرے پاس بھیج دیا کرتی تھیں۔ ایک مقدمے کی روداد سنئے۔ ایک مقدمے میں کئی ہزار روپے اور غالباً اٹھارہ مہینے صرف ہوئے اور بیسیوں گواہیاں گزریں اور ابھی صرف ایک فریق کا بیان ختم ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ دوسرے فریق کے بیان میں بھی اس سے کچھ کم وقت اور روپیہ خرچ نہ ہوتا۔ لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ بعض لوگوں کی تحریک سے دونوں فریقوں نے ثالثی کی درخواست دے دی اور مقدمہ میرے پاس آیا۔ میں نے صرف ایک دن میں دونوں فریقوں کے بیانات لے کر تنقیحی نکات درج کر لئے اور دوسرے ہی ہفتے میں دونوں کا فیصلہ دے دیا۔ ایک تختہ کاغذ کے سوا کوئی اور خرچ نہ ہوا۔ فیصلہ عدالت میں پہنچا تو ایک حرف کی ترمیم کئے بغیر اس نے پورا فیصلہ برقرار رکھا۔ اس طرح کے کتنے ہی واقعات وہاں ہو چکے ہیں۔ پنچایت سسٹم کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ اس کی تصدیق کریں گے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ نکاح و طلاق جیسے نازک مقدمات بے علم پنچایتوں کے حوالے کر دئے جائیں۔ یقیناً اس کے لئے وہ شرطیں ضرور ہونی چاہئیں جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں۔ جب ہمارے پیش کردہ قوانین (جو "ازدواجی زندگی" کے متعلق "ثقافت" کے تین نمبروں میں پیش کئے گئے ہیں) مجلس آئین ساز کی منظوری کے بعد نافذ ہوں گے تو وہ پنچایتوں کے پاس بھی بھیج دیئے جائیں گے تاکہ وہ ان ہی کی روشنی میں اور ان ہی حدود میں رہ کر فیصلے کریں اور ہر پنچایت بھی ایسی ہی قائم کی جائے گی جو اٹکل پچو فیصلے نہ کرے بلکہ ان قوانین کو سمجھ کر فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

ان تجاویز کے بعد

یہ تھیں "ازدواجی زندگی کے لئے اہم قانونی تجاویز" جو ماہنامہ "ثقافت" کے تین نمبروں میں آئی ہیں اور یہ اس کی آخری قسط ہے۔ بہت سی تائیدات تو پہلی ہی قسط کے بعد سے ہونے لگی ہیں۔ اب ان تینوں اقساط کے بعد ہمیں انتظار رہے گا کہ اہلِ علم کیا رائے دیتے ہیں اور حکومت کیا قدم اٹھاتی ہے۔ ہماری رائے ہے کہ اگر کوئی باوزن جاندار اور بادلیل مخالفت نہ ہو تو ان تجاویز کو جوں کی توں یا مناسب ترمیمات کے بعد نافذ کر دینا چاہئے اور اسے کم از کم پوری مغربی یونٹ کے لئے نافذ العمل ہونا چاہئے۔ مشرقی یونٹ میں بھی معمولی حک و اضافہ کے بعد اسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ابھی ایک قسط اور آئیگی جس میں خلع اور وراثت کے متعلق ضروری تجاویز ہونگی۔